میرا جی کی ایک گم شدہ بیاض کی دریافت

ڈاکٹر محمد سعید، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر مصباح رضوی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

One or two handwritten diaries (Beyaazein) of Meeraji (Sanaullah Sani Dar, May 25, 1912 - November 3, 1949) became the victim of darkness of unknowingness. One Beyaaz of Meeraji is in the possession of the author, whose this article presents an introduction of this material. The Beyaaz includes Fifty two (52) poems of Meeraji. The text of this Beyaaz was firstly used by Dr. Jameel Jalabi in his edited Kulyat-e-Meeraji. But after a careful comparison it is noticed that the text of his some poems is not correctly presented in Kulyat.The discovery of this Beyaaz is a land mark in the struggle to understand the mental development of Meeraji .

اُردو شاعری کی تاریخ میں بیسویں صدی جدید نظم کی صدی ہے۔اس صدی نے اُردو شاعری کو میرا جی دیا اور میرا جی نے اس صدی کو جدید نظم دی۔جدید نظم کی جو تعریف مختلف نقادوں نے بیان کی ہے اس کی انتہائی صورت میرا جی کی نظم ہے۔ضروری نہیں کہ ہر آزاد نظم جدید بھی ہو لیکن یہ ضرور ہے کہ میرا جی کی پابند نظمیں بھی جدید نظم کہلانے کی مستحق ہیں۔اس طرح میرا جی وہ شاعر ہے جس کی نظمیں جدید نظم کی تعریف متعین کرنے کے لیے ایک معیار ٹھہرتی ہیں ۔ہیئت، اسلوب، آہنگ اور ابہام جیسے فنی قرینوں سے جدید نظم کا نقشہ مرتب کرنے والے میرا جی بیشتر شاعروں ادیبوں کی طرح طبعاً لا پروا اور لا اُبالی تھے۔اُن کی لا اُبالی طبیعت نے اُن کی زندگی کے توازن کو بگاڑا اور معمولات زندگی کے شیرازے کو بکھیرا لیکن ان کے خلاق ذہن نے اُن کی شعری تنظیم پر کوئی حرف نہیں آنے دیا۔ان کی بعض فطری عادات نے ان کی شخصیت کو ایک دوسرے رُخ پر تعمیر کیا جو ابنارملٹی (Abnormality) کی حدوں کو پہنچتی ہے۔مگر شاعری سے محبت انھوں نے بڑے فطری انداز سے کی۔میرا جی نے بڑی با قاعدگی سے بے قاعدہ زندگی گزاری لیکن بڑے فطری اور نارمل انداز سے اپنی تخلیقات سے اولاد کی طرح محبت کی جس طرح ہر تخلیق کار اپنی تخلیق سے محبت کرتا ہے۔

میرا جی کے دوستوں نے ان کی متعدد تصویریں قلم بند کی ہیں لیکن اب تک اُن کی کوئی ایسی تصویر نہیں کھینچی گئی جس سے یہ پتا چل سکے کہ وہ اپنی نظموں کا نک سُک سنوارنے کے لیے کتنی محنت کرتے تھے۔کتنی بار نظر ثانی کرتے تھے اور اپنے کلام میں انھوں نے کس قدر حذف و اضافے اور ترامیم کی ہیں۔اگر یہ تصویر مکمل ہو سکے تو اُن

کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ زیرِ نظر مضمون میں میرا جی کی اس تصویر کے ایک بنیادی ماخذ کا تذکرہ مقصود ہے۔ کسی شاعر کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے اُس کی قلمی تحریریں، اس کی تخلیقات کا زمانی تعین اور مطبوعات کا متنی تقابل بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ میرا جی کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے مذکورہ بنیادی ماخذ اُن کی ایک گم شدہ قلمی بیاض ہے جو مکمل طور پر اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں نظموں کی تاریخ تحریر کے اندراج کا اہتمام بھی ہے اور ان نظموں پر حذف و اضافے اور ترامیم کا عمل بھی دکھائی دیتا ہے۔ یہ میرا جی کی وہ گم شدہ قلمی بیاض ہے جو اُن کے کسی چھوٹے بھائی نے ردّی سمجھ کر بیچ دی تھی۔ میرا جی کے دوستوں یا نقادوں نے اب تک اُن کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اُن میں سے چند ایک نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ میرا جی کا کچھ علمی و قلمی سرمایہ اُن کے ایک چھوٹے بھائی نے ردّی میں بیچ دیا تھا۔ اس بات کا تعین ابھی تک نہیں ہوا کہ کس بھائی سے یہ غلطی سرزد ہوئی اور اس سے میرا جی کا کس قدر، کس طرح کا اور کون سا سرمایہ ضائع ہوا۔ اس سلسلے کے چند بیانات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ میرا جی کے ایک معتقد دوست اور ہم دم دیرینہ اخلاق احمد دہلوی میرا جی کے رونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔۔اور کبھی کبھی اپنے اُس بھائی کی نادانی پر (روتے) جس نے ان کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام ردّی کے حسابوں بیچ دیا''۔[۱]

اخلاق احمد دہلوی آگے چل کر اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''میرا جی کا وہ غیر مطبوعہ کلام جو میرے پاس سے دلّی میں غدر ۴۷ء کی بھینٹ چڑھا اور جس کا کفارہ میں تا زیست ادا نہیں کر سکتا؛ میرے حساب سے اس سے کہیں زیادہ قیمتی تھا جو ان کے بھائی نے لاہور کے کسی دوکاندار کے ہاتھ ردّی میں بیچا، کیونکہ جو مسودات میرا جی کے بھائی کے ہاتھ پڑے وہ زیادہ تر اُن کی غیر مطبوعہ نظموں پر مشتمل تھے لیکن میرے پاس اُن کی نظم اور نثر کے ٹکڑے تھے۔ کون جانے کس بھائی نے کس ''بھائی'' کے ہاتھ کس بھاؤ یہ خزانہ لُٹا دیا''۔[۲]

اخلاق احمد دہلوی نے ایک تو لاہور میں میرا جی کے کسی بھائی کے ہاتھوں اُن کی غیر مطبوعہ نظموں کے ردّی کے بھاؤ بک جانے کا ذکر کیا دوسرا خود اُن کے ہاتھوں میرا جی کی نظم و نثر کے ٹکڑے ۱۹۴۷ء کے ہنگامے کی نذر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مذکورہ بیانات سے نہ اس بات کا تعین ہوتا ہے کہ کون سے بھائی سے کب یہ غلطی سرزد ہوئی اور نہ یہ تعین ہوتا ہے کہ خود اُن کے ہاتھوں کتنا علمی سرمایہ ضائع ہوا اور وہ کس نوعیت کا تھا۔ ''نظم و نثر کے ٹکڑے'' کو غیر مطبوعہ نظموں پر ترجیح دینا اور اُن کی نسبت ''زیادہ قیمتی'' کہنا بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اخلاق احمد دہلوی مزید لکھتے ہیں:

> ''دس فروری ۱۹۴۸ء کو میں لاہور پہنچا اور تادمِ تحریر لاہور میں اس کوشش میں ہوں کہ کس طرح اُس ردّی کا کچھ کھوج لگ سکے جس کے لیے میرا جی اکثر روئے ہیں اور میری یہ کوشش بالکل رائیگاں نہیں گئی۔ آخر ایک پُرزہ مزنگ کے ایک دوکاندار کے ہاں سے مجھے مل ہی گیا۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ یہ کاغذ کا پُرزہ اس ڈھائی تین برس کی محنت کی کچھ قیمت نہیں ہے''۔[۳]

''تقریباً ایک فٹ لمبے اور چھ انچ چوڑے'' کاغذ کے اس پُرزے سے اخلاق احمد دہلوی نے جو پیرا گراف نقل کیا ہے وہ میرا سین کے نام میرا جی کا خط معلوم ہوتا ہے۔ اس سے میرا جی کے روتے رہنے کا اصل سبب بھی معلوم ہو جاتا ہے ورنہ ان کے دوست یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ دلّی کے زمانے میں وہ اپنے مسودات سرِ راہ بھی اچھال دیا کرتے تھے۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے بھائی کے ہاتھوں ردّی میں بکنے والے سرمایے میں میرا جی کی نظموں کے علاوہ میرا سین کے سلسلے کی بھی خاصی تحریریں ہو سکتی ہیں۔ اخلاق احمد دہلوی نے اپنے مضمون کے آخر میں اس واقعے کو بقول میرا جی کہا ہے۔ میرا جی کی کسی تحریر میں اس کا ذکر میری نظر سے نہیں گزرا، ہو سکتا ہے انھوں نے اپنے بعض دوستوں کو زبانی اس واقعے کی کچھ تفصیل بتائی ہو۔

شاہد احمد دہلوی میرا جی کی گم شدہ بیاضوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میرا جی کے چھوٹے بھائی نے:

> ''میرا جی کی تمام نظمیں چند پیسوں میں بیچ ڈالی تھیں۔ ہوا یہ کہ انھوں نے سارے گھر کی ردّی کسی پھیری والے کے ہاتھ دو تین آنے سیر کے حساب بیچی اور اس میں میرا جی کی وہ دو ضخیم کاپیاں بھی تول دیں جن میں ان کی نظمیں لکھی ہوئی تھیں۔ میرا جی نے لاہور کے تمام ردّی بیچنے والے چھان ڈالے تھے مگر وہ مجموعے نہ ملنے تھے نہ ملے۔ اس کا انہیں بے حد رنج پہنچا، اتنا کہ انھوں نے اپنا گھر اور اپنے عزیزوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا''۔[۴]

میرا جی نے گھر اور عزیزوں کو اس وجہ سے تو نہ چھوڑا تھا البتہ اس مضمون سے یہ معلومات ملتی ہیں کہ میرا جی کی نظموں کی دو ضخیم بیاضیں تھیں۔ جو ان کے بھائی کے ہاتھوں ردّی کے بھاؤ بکیں۔ دلّی کے زمانہ قیام میں میرا جی کا شاہد احمد دہلوی سے بھی معاملہ رہا۔ انھوں نے ان کی تین کتابیں شائع کی تھیں اور اس نسبت سے قربت بھی رہی تو لازماً میرا جی نے خود انھیں یہ واقعہ بتایا ہوگا۔ ڈاکٹر رشید امجد نے میرا جی کی شخصیت اور فن کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ میرا جی کے کلام کے ردّی کے بھاؤ بکنے کے واقعے کی انھوں نے بھی کچھ زیادہ تفصیل نہیں بیان کی البتہ حوالہ دیے بغیر ایک جگہ ان کی کتاب میں واوین میں یہ عبارت نظر آتی ہے:

> ''وہ اپنی تخلیقات سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے اور جب ایک بار ان کی بیاض ان کے بھائی نے ردّی میں بیچ دی تو اس شام میرا جی نے کھانا نہ کھایا اور دو تین دن تک حیران و سرگراں ردّی فروشوں کی دکانوں پر وہ کاپیاں تلاش کرتے رہے''۔[۵]

اب ایک گھر کی گواہی بھی ملاحظہ کیجیے۔ میرا جی کے بھتیجے راشد ڈار لکھتے ہیں:

> ''ایک دن میرا جی صبح صبح بہت خوش خوش اپنی والدہ کے پاس گئے، ناشتہ مانگا [illegible] گنگنا رہے تھے۔ دادی اماں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تم بہت خوش ہو۔ بولے آج میں نے ایک ایسی کتاب مکمل کی ہے جس کے چھپنے کے بعد امر ہو جاؤں گا۔ دادی اماں نے پوچھا، کیا مطلب؟ بولے ___ جیسے وارث شاہ نے ہیر لکھی ہے ویسے ہی میں نے ''راج رانی میرا بائی'' لکھی ہے۔ چند دن بعد

جب کسی پبلشر سے بات کر کے آئے، مسودہ ڈھونڈا تو نہ ملا۔ میراجی کے کمرے میں ایک کونا تھا جہاں وہ غیر ضروری کاغذ پھینکا کرتے تھے اور کچھ دنوں بعد چھوٹے بھائی سے کہا کرتے ''کاکے'' وہ کونے سے ردّی کاغذ اٹھاؤ اور جا کر بیچ دو اور پیسے تم رکھ لو۔ غلطی سے وہ مسودہ انھیں کاغذات میں پھینک دیا گیا اور وہ کتاب ردّی میں بک گئی۔ بہت کوشش کے بعد بھی وہ مسودہ نہ ملا جس کا افسوس میراجی کو آخر دم تک تھا۔ وہ کہتے تھے میں کبھی بھی اسے دوبارہ نہیں لکھ سکتا۔ اس صدمے میں زندگی میں پہلی بار اُس دن میراجی نشے میں گھر آئے اور اپنے بجائے سامنے کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ مالک مکان نے دروازہ کھولا، میراجی کو پہچان کر بتایا کہ منشی مہتاب دین کا گھر سامنے ہے۔ میراجی بہت شرمندہ ہوئے، سوچا! مجھے اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ اس طرح تو میں اپنے باپ کو بدنام کروں گا۔ انھی دنوں ریڈیو اسٹیشن پر سکرپٹ ایڈیٹر کی جگہ خالی ہوئی........''۔[۶]

راشد ڈار نے میراجی صدی پر بزرگوں سے سنی ہوئی باتوں کو اپنے حافظے میں کریدا تو میراجی کے ردّی کے بھاؤ بکنے والے کلام کے بارے میں مندرجہ بالا یادداشتیں رقم کیں۔ یادداشتوں کے رقم کرنے میں ایک مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کہانی کی بعض کڑیاں حذف ہو جاتی ہیں یا حافظہ ساتھ نہیں دیتا اور بعض اوقات تسلسل بیان کے لیے یا کہانی کو مکمل کرنے اور رنگ بھرنے کے لیے بعض باتوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ راشد ڈار کے اس طویل اقتباس میں یہ دونوں صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے بیان کا ابتدائی حصّہ اگر درست معلومات پر مبنی ہے تو ''راج رانی میرابائی'' میراجی نے ضرور مکمل کر لی ہو گی اور عنوان کی رعایت سے یہ اُن کے گیتوں کا مجموعہ ہو گا۔ راشد ڈار نے صرف اسی مجموعے کا ذکر کیا اگر عنوان کی رعایت سے یہ گیتوں کا مجموعہ تھا تو پھر نظموں کے مجموعے کی گم شدگی یا اس کے اسی دن اس مجموعے کے ساتھ ردّی کے بھاؤ بکنے کی معلومات اُن کے حافظے کا حِصّہ نہیں رہ سکیں کیونکہ اسی زمانے کا نظموں کا مجموعہ قلمی بیاض کی صورت میں دریافت ہو چکا ہے اور اپنی اصل صورت میں میراجی کے ہاتھ سے لکھا ہوا ''حلقۂ پشمِ سیہ'' کے عنوان سے موجود ہے۔

راشد ڈار کے بیان کے آخری حصّے میں کچھ حسنِ بیان کو دخل ہے۔ اُنھوں نے میراجی کی شراب نوشی کو اُن کی کتاب ''راج رانی میرابائی'' کے ردّی میں بکنے کا نتیجہ قرار دیا ہے جبکہ میراجی کے احوال لکھنے والے بیشتر لوگوں نے اسے میراسین کی محبت کا ثمر قرار دیا ہے جو کم از کم اس سے آٹھ دس سال پہلے کا واقعہ ہے یہ بحث غیر ضروری ہے اور یہ بھی غیر ضروری ہے کہ میراجی نے اس دن پہلی بار شراب پی کر باپ کا نام بدنام کرنے کے جرم میں سزا کے طور پر خود کو لاہور بدر کیا۔ ہمارے موضوع سے متعلق راشد ڈار کے وہ آخری جملے ہیں کہ ''انھی دنوں'' میراجی آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کی غرض سے دہلی چلے گئے۔ میراجی تقریباً ۱۹۴۲ء میں دہلی گئے اور ان کی گم شدہ بیاض بہ عنوان ''حلقۂ پشمِ سیہ'' میں ستمبر ۱۹۴۰ء کے بعد کی کوئی نظم نہیں ہے۔ گویا میراجی اپنے کلام کے ردّی کے بھاؤ بکنے کے بعد تقریباً دو سال لاہور میں رہے۔

راشد ڈار نے میراجی کے ردّی کے کاغذات بیچنے کے سلسلے میں اُن کے ایک چھوٹے بھائی ''کاکے'' کا ذکر کیا ہے یوں تو کسی بھی چھوٹے بچے کو ''کاکے'' کہہ کر مخاطب کر لیا جاتا ہے لیکن یہ ''کاکا'' میراجی کا وہ چھوٹا بھائی

ہے جس کا نام محمد ضیا اللہ تھا اور جو وجیہہ الدین احمد کے مطابق ۷بہن بھائیوں میں چھٹے نمبر پر تھا یعنی میرا جی سے پانچ درجے چھوٹا۔ اس طرح یہ میرا جی سے دس بارہ برس ضرور چھوٹا ہوگا۔ میرا جی کی بیاضوں کا ردّی میں بکنے کا واقعہ اگر ۱۹۴۰ء کے آخر کا قرار دیا جائے تو اس وقت میرا جی ۲۸ برس کے جوانِ رعنا ہوں گے اور ان کے کلام کو ردّی کے بھاؤ بیچنے والا پندرہ سولہ برس کا ''کاکا'' لڑکپن کی بہاریں دیکھ رہا ہوگا۔ میرا جی اپنے باقی بہن بھائیوں کی نسبت اس چھوٹے بھائی ضیاءاللہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے سعید ڈار لکھتے ہیں:

> ''ثنا کو گھر کے کام کاج سے، بہت دلچسپی تھی..... اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے معاملات میں دلچسپی لیتا۔ ایک مرتبہ جب اس کی والدہ، بہت بیمار ہوگئیں تو اپنے چھوٹے بھائی ضیا کو پہروں کھلایا کرتا۔ اس کے ساتھ اسے بے پناہ محبت تھی۔ وہ اسے کاکا کہتا۔ کاکا ثنا سے اس قدر مانوس تھا کہ سوائے اس کے کسی کے ہاتھ سے دودھ نہ پیتا۔ یہاں تک کہ اپنی والدہ کے ہاتھ سے بھی دودھ پینے سے انکار کر دیتا۔ ان دنوں ثنا میرا جی بن رہا تھا۔ اس کی مصروفیات بڑھ رہی تھیں۔ مگر اس کے باوجود کاکا کو وقت مقررہ پر دودھ پلانا کبھی نہ بھولتا، خواہ اس کے لیے کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ملتوی کرنا پڑتا''۔[۸]

راشد ڈار اور سعید ڈار کے بیانات کو ملا کر پڑھیے تو یہ قیاس یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ میرا جی کے جس چھوٹے بھائی نے غلطی سے ان کے مسودات کو ردّی کے بھاؤ بیچ دیا تھا اس کا نام ضیا اللہ عرف کاکا تھا اس سلسلے کے مندرجہ بالا سارے بیانات کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ:

۱۔ میرا جی کے مسودات ردّی کے بھاؤ بکنے کا واقعہ ۱۹۴۰ء کے آخر یا ۱۹۴۱ء کے شروع کے زمانے کا ہو سکتا ہے۔ جب وہ لاہور میں مقیم تھے اور رسالہ ادبی دنیا سے وابستہ تھے۔

۲۔ میرا جی کے ان گم شدہ مسودات میں ان کی دو بیاضیں راج رانی میرا بائی (گیتوں کا مجموعہ) اور حلقۂ پشمِ سیہ (نظموں کا مجموعہ)، میرا سین کے نام لکھے ہوئے وہ خط جو پوسٹ نہ کیے گئے تھے اور کچھ اُن کے تنقیدی مضامین بھی ہو سکتے ہیں۔

۳۔ یہ مسودات اُن کے چھوٹے بھائی محمد ضیا اللہ عرف کاکا کے ہاتھوں دوسرے ردّی کاغذات کے ساتھ بکے۔

۴۔ اور یہ کہ اس کا اثر میرا جی پر ضرور ہوا ہوگا، وہ مایوس بھی ہوئے ہوں گے، گھر والوں سے ناراض بھی ہوئے ہوں گے اور روتے بھی ضرور رہے ہوں گے لیکن یہ نہیں کہ انھوں نے پہلی بار شراب نوشی شروع کر دی یا لاہور اور عزیزوں ہی کو چھوڑ دیا۔

میرا جی کی زیرِ نظر گمشدہ قلمی بیاض ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس تھی۔ جب وہ جی سی یونیورسٹی سے وابستہ تھے اور شعبہ فارسی میں بیٹھا کرتے تھے تو اکثر ان سے ملاقات رہتی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے محترم دوست ڈاکٹر ہارون عثمانی کے ساتھ کبھی کبھی وحید قریشی صاحب کے گھر بھی چلا جاتا تھا۔ پھر بوجوہ میں نے ان کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصے بعد دو ایک بار ان کا فون آیا کہ آؤ، تم سے کام ہے۔ میں ایک دن چلا گیا تو یہ کہتے ہوئے میرا جی کی یہ

بیاض میری طرف بڑھائی کہ ''ایہہ لے، ایہدے تے مضمون لکھ۔ جالبی نیں متن برباد کردتا اے''۔ میں نے شکریے کے ساتھ بیاض رکھ لی لیکن سوچا کہ جب جالبی صاحب جیسا محقق اور مدون اس بیاض کا متن کلیات میراجی میں شامل کر چکا ہے تو پھر میرے مضمون کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔ یہ بھی سوچا ہو سکتا ہے وہ محض میری دلجوئی کی خاطر یہ بیاض مجھے عنایت کر رہے ہوں۔ اس کے بعد بھی دو ایک بار ملنے پر انھوں نے مضمون کا پوچھا لیکن میں مصروفیت کا بہانہ کر دیتا۔ راشد صدی پر استاد محترم ڈاکٹر سعادت سعید صاحب نے بیاض راشد کے عکس شائع کیے تو میراجی صدی پر میں نے اس خیال سے بیاض کو نکالا کہ اس کے عکس چھاپ دوں لیکن کلیات میراجی سے موازنے پر معلوم ہوا کہ اس میں تو رفو کا بہت کام ہے۔ میں ان دنوں اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے میں مصروف تھا اس لیے بیاض کو پھر بند کر کے رکھ دیا۔ اب انشا اللہ اسے مرتب کر کے نذر قارئین کیا جائے گا۔

میراجی کی اس گم شدہ قلمی بیاض کا تقریباً تمام متن کلیات میراجی میں آ چکا ہے اس کے باوجود یہ بیاض دریافت کا درجہ رکھتی ہے کہ اب تک پردہ اخفا میں تھی اور اس کا تعارف تو کیا ذکر تک کہیں نہیں ملتا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے چونکہ کلیات میراجی کے لیے ڈاکٹر وحید قریشی سے اس کی نقل منگوائی تھی اور اس کے متن کو کلیات میں شامل کیا تھا اس لیے ان کی مرتبہ کلیات کے دیباچے میں اس کا ذکر آ گیا ہے لیکن صرف اس قدر کہ اس کلیات میں:

> ''حلقۂ پشم سیہ' نامی بیاض کا کلام بھی شامل ہے جو ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس ہے۔ اس بیاض میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے، فحش کلام نہیں ہے بلکہ خاصی تعداد میں وہ نظمیں ہیں جو 'میراجی کی نظمیں' (مطبوعہ ساقی بک ڈپو دہلی ۱۹۴۴ء) میں شامل ہیں۔''۹

ڈاکٹر جمیل جالبی آگے چل کر اظہار تشکر کے لیے لکھتے ہیں:

> ''میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے 'حلقۂ پشم سیہ' کی عکسی نقل بغیر کسی تامل کے مجھے ۱۹۷۲ء ہی میں فراہم کر دی تھی۔''۱۰

کلیات میراجی کا پہلا ایڈیشن اردو مرکز لندن سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا تھا۔ گویا کلیات کی ترتیب کے وقت تک یہ بیاض سولہ برس ڈاکٹر جمیل جالبی کے زیر مطالعہ رہی۔ اس کے بارے میں ان کا یہ کہنا درست نہیں کہ اس بیاض کی نظمیں ''خاصی تعداد'' میں میراجی نظمیں میں شامل ہیں کیونکہ اس بیاض میں کل ۵۲ نظمیں ہیں جن میں سے صرف سات میراجی کی نظمیں میں شامل ہیں۔ اس کی تصحیح کلیات کے دوسرے ایڈیشن میں بھی نہیں ہو سکی۔ غرض یہ کہ میراجی کی اس گم شدہ بیاض کے بارے میں بنیادی نوعیت کی تحقیقی معلومات بھی کہیں نہیں ملتی۔ دوسرا یہ کہ یہ بیاض اب تک عکسی صورت میں طبع یا شائع نہیں ہوئی۔ یہاں اس بیاض میں سے تبرک کے لیے دو نظموں کے عکس پیش کیے جاتے ہیں۔

میراجی کی ایک نظم ہے ''منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں'' یہ اس بیاض میں موجود ہے لیکن کلیات میراجی میں شامل نہیں ہو سکی تھی حالانکہ یہ اس وقت تک غیر مطبوعہ تھی۔ یہ نظم پہلی بار اختر الایمان کے مرتبہ مجموعے سہ آتشہ (۱۹۹۰ء) میں شامل ہوئی۔ اس میں شائع ہو جانے کے باوجود کلیات کے دوسرے ایڈیشن (۱۹۹۶ء) میں بھی

شامل نہیں ہے حالانکہ سہ آتشہ کلیات کے ماخذ میں موجود ہے۔

میراجی کی دوسری نظم ہے ''میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں''۔ بیاض میراجی میں اس نظم کے چھوٹے بڑے گیارہ بند ہیں جن میں سے کلیات میراجی میں اس نظم کے صرف پہلے سات بند شائع ہوئے ہیں۔ گویا کلیات میں شامل یہ نظم نامکمل ہے اور اس کے آخری چار بند اب میراجی کے غیر مطبوعہ کلام کا درجہ رکھتے ہیں، جو اس سے پہلے کہیں بھی شائع نہیں ہوئے۔

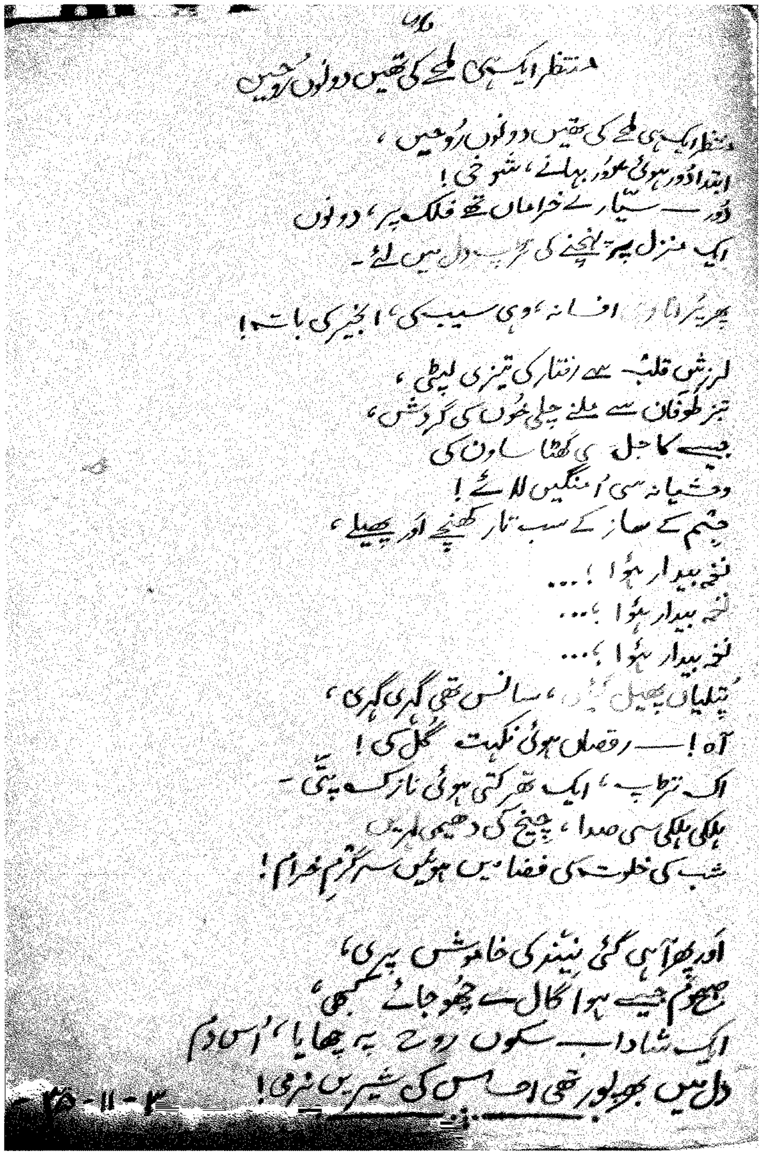

منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں

منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں،
ابتدا دور ہوئی عود بہلنے، شوخی!
دور — سیارے خراماں تھے فلک پر، دونوں
ایک منزل پہ پہنچنے کی تڑپ دل میں لئے۔

پھر پرانا [illegible] افسانہ، وہی سیب کی، انجیر کی بات!

لرزش قلب سے رفتار کی تیزی لپٹی،
تیز طوفان سے ملنے چلی خوں کی گردش،
جیسے کاجل [illegible] کی گھٹا ساون کی
وحشیانہ سی امنگیں لائے!
جسم کے ساز کے سب تار کھنچے اور پھیلے،
نغمہ بیدار ہوا!...
نغمہ بیدار ہوا!...
نغمہ بیدار ہوا!...
پتلیاں پھیل گئیں، سانس تھی گہری گہری،
آہ! — رقصاں ہوئی نکہت گل کی!
اک تڑپ، ایک تھرکتی ہوئی نازک پتی —
ہلکی ہلکی سی صدا، چیخ کی دھیمی لہریں
شب کی خلوت کی فضا میں ہوئیں سرگرم خرام!

اور پھر آ ہی گئی نیند کی خاموش پری،
جھوم کر جیسے ہوا گال سے چھو جائے کبھی،
ایک شاداب سکون روح پہ چھایا، اس دم
دل میں بھرپور تھی احساس کی شیریں نرمی!
۳-۱۱-۴۵

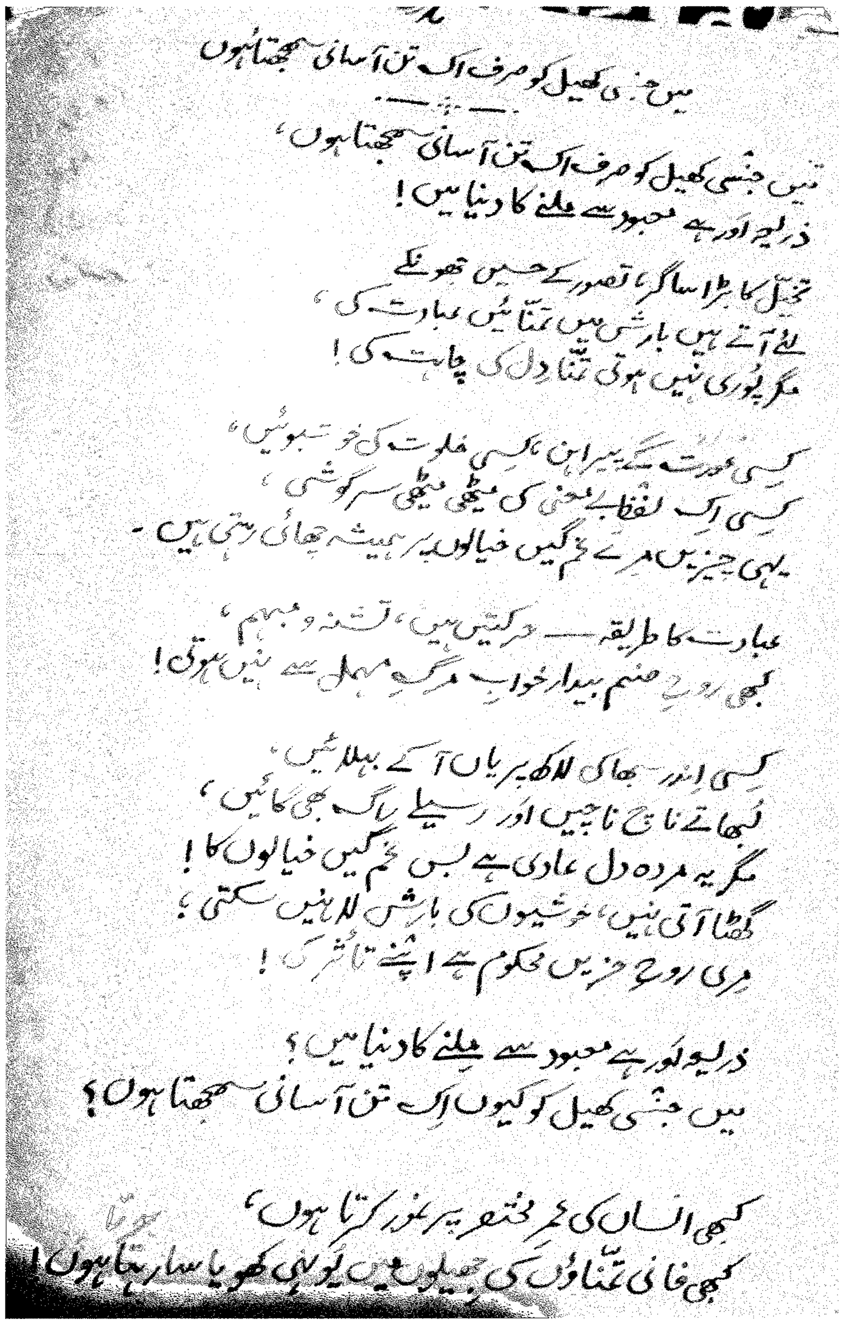

میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں

میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں،
ذریعہ اور ہے معبود سے ملنے کا دنیا میں!

تخیل کا بڑا ساگر، تصور کے حسیں جھونکے
لیے آتے ہیں بارش میں تمنائیں عبادت کی،
مگر پوری نہیں ہوتی تمنا دل کی چاہت کی!

کسی عورت کے پیراہن، کسی خلوت کی خوشبوئیں،
کسی اک لفظ بے معنی کی میٹھی سرگوشی،
یہی چیزیں مرے غمگیں خیالوں پر ہمیشہ چھائی رہتی ہیں۔

عبادت کا طریقہ — حرکتیں ہیں، تشنہ و مبہم،
کبھی روحِ صنم بیدار خوابِ مرگِ مہمل سے نہیں ہوتی!

کسی اندر سبھا کی لاکھ پریاں آ کے بہلائیں،
لبھاتے ناچ ناچیں اور رسیلے راگ بھی گائیں،
مگر یہ مردہ دل عادی ہے بس غمگیں خیالوں کا!
گھٹا آتی نہیں، خوشیوں کی بارش لا نہیں سکتی؛
مری روحِ حزیں محکوم ہے اپنے تاثر کی!

ذریعہ اور ہے معبود سے ملنے کا دنیا میں؟
میں جنسی کھیل کو کیوں اک تن آسانی سمجھتا ہوں؟

کبھی انساں کی عمرِ مختصر پر غور کرتا ہوں،
کبھی فانی تمناؤں کی جھیلوں میں یونہی کھویا سا رہتا ہوں!

مگر رازِ حقیقت مجھ پہ ظاہر ہی نہیں ہوتا،
مرا شکی تخیل اپنی پروازوں میں اُلجھا ہے!
مرا معبود کیوں محکوم ہے میرے خیالوں کا؟
(جسے معبود سمجھا ہوں، فقط میرا تصور ہے!)
وہ ایک اک آزاد ہستی کیوں نظر آتا نہیں مجھ کو؟

یہ جذبے دل میں رہ کر، گندہ ہو کر پھر ابھرتے ہیں،
یونہی میں ہوں، یہ میری زندگی اور جنس کی اُلجھن،
مجھے معبود سے ملنا میسر ہی نہیں ہوتا!

مرا معبود عورت ہے!
میں جنسی کھیل کو کیوں اک تن آسانی سمجھتا ہوں؟
عبادت کے طریقے حرکتیں ہیں جوش میں لاتی،
گھٹا میں جس طرح بجلی چمکتی ہو،
کہ جیسے بحر طوفاں خیز کا جلوہ!

مری معبود اک عورت ہے، میرے ذہن کا نغمہ،
مجھے ملنا میسر ہی نہیں ہوتا،
میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں!

- ۳۵ - ۱۱ - ۱۶

حواشی:

۱۔ اخلاق احمد دہلوی،"ردّی کے بھاؤ"، "نقوش"،(سالنامہ)لاہور،شمارہ نمبر ۱۵،۱۶،دسمبر ۱۹۵۰ءص:۹۱

۲۔ ایضاً،ص:۹۱

۳۔ ایضاً،ص:۹۳

۴۔ شاہد احمد دہلوی،"میرا جی"،مشمولہ:میرا جی: ایک مطالعہ،مرتبہ،ڈاکٹر جمیل جالبی،(لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۰ء)،ص:۵۸

۵۔ رشید امجد،ڈاکٹر،میراجی: شخصیت اور فن،(لاہور:مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،۱۹۹۵ء)،ص:۸۷

۶۔ راشد ڈار،"میرا جی –چند یادیں"،"بازیافت"،شعبۂ اُردو،پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج،لاہور،شمارہ:۲۱،جولائی-دسمبر ۲۰۱۲ء،ص:۹۹-۱۰۰

۷۔ وجیہہ الدین احمد،"سرگذشتِ میرا جی"، "شعر و حکمت" (دوردوم،کتاب اوّل) (حیدرآباد:۱۹۸۷ء)،ص:۲۱

۸۔ سعید ڈار،"وہ میرا جی نہ تھا"، "ادب لطیف"،(لاہور،اپریل ۱۹۶۴ء)،ص:۱۱

۹۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،مرتبہ،کلیاتِ میرا جی،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء)،ص:۳۰

۱۰۔ ایضاً،ص:۳۲

مآخذ:

۱۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،مرتبہ،میرا جی: ایک مطالعہ،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۰ء۔

۲۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،مرتبہ،کلیاتِ میرا جی،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء۔

۳۔ رشید امجد،ڈاکٹر،میراجی: شخصیت اور فن،لاہور:مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،۱۹۹۵ء۔

۴۔ میراجی،میرا جی کی نظمیں،دہلی،ساقی بک ڈپو،۱۹۴۴ء۔

۵۔ میراجی،سہ آتشہ،مرتبہ،اختر الایمان،ناشر اختر الایمان،۱۹۹۰ء۔

☆☆☆